رضوان خان بھٹی☆

علامہ اقبال اور سوامی رام تیر تھ

Abstract:

The poetic charisma of Allama Iqbal is not only due to his ideas and a personal magic of leadership arousing special popular loyalty and enthusiasm as a public figure but there are many other reasons as well. One of them is admiring and admitting the greatness of the fabulous brains of his ancestors and of his own era as well with open heart. When we study the poetry of Allama Iqbal we realize Iqbal admiring the geniuses of different aspects of life via mentioning their names in his poetry, highlighting their ideology and writing poems with the title of their names. In Iqbal's collection of Urdu poetry we see more than 50 poems having title on the names of personalities who impart their impact on the people and world as well. These addressed personalities are beyond the precincts and limitations of caste, color, race, region and religion. One of such poem is titled as " سوامی رام تیر تھ " and is included in " Bang e Dara" . Ram Tirath was a Hindu Swami who died in strange circumstances which are still a matter of mystery for people. Initially it was a poem comprising seven coupelets later on Allama Iqbal resized it to six couplets. In this poem Iqbal has praised the idealogy of Swami RaamTirath.

Key Words: Allama Iqbal, Swami RaamTirath, Bang e Dara, poetry of Allama

تعارف و شخصیت:

اصل نام تیر تھ رام تھا۔ ہندو مت اور رام سے گہری عقیدت اور لگن کی وجہ سے تیر تھ رام سے رام تیر تھ بن گئے۔ ۱۸۷۳ء میں ضلع گوجرانوالہ کے ایک گاؤں مرالی والا میں پیدا ہوئے اس روز ہندوؤں کا تہوار دیوالی تھا۔ گاؤں کے پرائمری سکول سے پانچویں کا امتحان پاس

☆ حجرہ شاہ مقیم، اوکاڑہ، ایم۔ فل اسکالر، جامعہ منہاج لاہور

کیا اور وظیفہ حاصل کیا تاہم قرب وجوار میں مڈل یا ہائی سکول نہ ہونے کی وجہ سے سلسلہ تعلیم منقطع ہو گیا۔ بعد ازاں ۱۸۸۶ء میں بطور پرائیویٹ طالب علم اینگلو ورینکلر کا امتحان دیا۔ گجرانوالہ کی ایک صاحب ثروت شخصیت ہیر انند نے مزید تعلیم کے لئے رام تیر تھ کو مالی طور پر معاونت فراہم کی اور اسے انٹرنس یعنی میٹرک کی تعلیم کے لیے گوجرانوالہ بھیج دیا۔ ۱۸۸۸ء میں رام تیر تھ نے پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے انٹرنس کا امتحان درجہ دوم میں پاس کیا۔ مزید تعلیم کے لئے مئی ۱۸۸۸ء میں لاہور آئے اور مشن کالج میں فرسٹ ایئر میں داخلہ لیا۔ اس بار تعلیمی اخراجات بھگت دھنا رام نے اپنے ذمے لے لیے۔ انٹر کا امتحان ۱۸۹۰ء میں سیکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ ۱۸۹۲ء میں بی اے کا امتحان دیا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ تاہم ہمت نہ ہاری اور مزید محنت کے ساتھ اگلے سال دوبارہ امتحان دیا اور اب کے بار یونیورسٹی بھر میں اول رہے۔ اس سال وہ فرسٹ ڈویژن میں پاس ہونے والے یونیورسٹی کے واحد طالب علم تھے۔ اول آنے پر انہیں سلور میڈل اور ۳۵۰ روپے ماہانہ وظیفہ دیا گیا۔ اس کے علاوہ بی۔ اے سائنس میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے پر پنجاب سائنس انسٹیٹیوٹ کی طرف سے بھی انعام حاصل کیا۔ ۱۸۹۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے ریاضی کا امتحان دیا اور تھرڈ کلاس میں پاس ہوئے اس امتحان میں پاس ہونے والے وہ واحد طالب علم تھے۔ ڈاکٹر ایونگ جو پرنسپل مشن کالج تھے وہ تیر تھ رام سے خصوصی شفقت رکھتے تھے لہذا جب تیر تھ رام نے ایم۔ اے ریاضی کا امتحان پاس کیا تو انہوں نے بطور استاد ریاضی مشن کالج میں ملازمت کی پیشکش کی جسے تیر تھ رام نے قبول کر لیا اور یہاں چند ماہ ملازم رہے۔ ابتدا سے ہی وہ مذہبی علوم اور ہندو دھرم کی تعلیمات میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ایم اے ریاضی کے دوران میں ہی انہیں سناتن دھرم پر لیکچر دینے کے لئے مدعو کیا جاتا تھا۔ موسم گرما کی تعطیلات میں وہ ہندوؤں کے مذہبی مقامات کی یاترا کے لیے روانہ ہوئے اور ہر دوار گنگا پار، ہری کی پیڑھی اور رشیوں کے مسکن کوہ ہمالیہ تک گئے اور پھر واپس لاہور آئے۔ ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں :

> " ۱۸۹۵ء میں سوامی کرسچن کالج میں عارضی لیکچرر مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر ایونگ انھیں پسند کرتے تھے۔ ایک بار کالج ہال میں ان کا لیکچر کرایا گیا اس میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ " ایک بار میں عیسیٰ مسیح بن کر پیام دینے آیا تھا، مجھے غلط سمجھا گیا اس لئے میں دوبارہ حاضر ہوا ہوں۔ " اناالحق قسم کے اس دعوے پر مسیحی لوگ ناراض ہو گئے اور انھیں کالج سے برطرف کر دیا گیا۔ " (۱)

کچھ عرصہ مرے کالج سیالکوٹ میں بھی پروفیسر رہے۔ ان کی اہلیہ، بیٹا مدن موہن اور بھتیجا بھی ان کے ساتھ رہتے تھے لیکن وہ اکثر تنہا ہی نظر آتے ہیں۔ گھنٹوں آنکھیں بند کیے مراقبے میں بیٹھے رہتے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے آخر کار گھر بار تیاگ کر سنیاس لے لیا، تپ جپ کرنے لگے۔ ملک کے طول وعرض میں لوگوں کو " ویدانت " کا درس دیتے پھرے۔

ویدانت یا اتر میمانسا بنیادی طور پر ہندو مذہب کے چھ تقلید پسند (استک) مکاتبِ فکر میں سے ایک فلسفہ ہے۔ ویدانت کا لفظی ” ویدوں کا اختتام یا جوہر“ لیا جاتا ہے۔ ویدانت ان تمام مذہبی اور فلسفیانہ روایات کا عکاس ہے جو ” اپنیشدوں“ میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ فلسفہ ہنود تصوف کی بنیاد ہے۔ ہندو مذہب کے مطابق ویدانت سے مراد علم اور عقل و شعور کی انتہا ہے کہ انسان اپنے مراقبے سے سلوک و معرفت کے اس درجہ تک پہنچ جائے جہاں علم و عقل کی انتہا ہے اور اس لحاظ سے یہ نظریہ ” وحدت الوجود“ کا ہی ایک پرتو ہے کہ اگر انسان اپنی روح سے جڑی دنیاوی جہالتوں اور دیگر لوازمات کو ترک کرلے تو اس کی روح کو روحِ کل یعنی خدائے مطلق سے ملایا جاسکتا ہے۔ اسی فلسفے کی وجہ سے ہندومت میں رہبانیت یعنی خود اذیتی، اپنے نفس کو اذیت دینا عام رواج ہے اور آج کے ہندوؤں میں عملی طور پر جو فلسفہ کارفرما ہے وہ یہی فلسفہ ویدانت ہے۔ اسی کے زیرِ اثر اسلامی تصوف اور سلوک و معرفت کی راہ میں بعض مسلمان اپنے نفس کو اذیت دینے کی خاطر دنیاومافیہا اور رشتوں کی زنجیریں توڑ کر دنیا کو تیاگ دیتے ہیں۔ سوامی رام تیرتھ کے نظریہ ویدانت کو افتخار احمد صدیقی یوں بیان کرتے ہیں:

> ” ویدانت کی روح بس اتنی سی بات میں ہے کہ کسی مصیبت کو اپنے اوپر طاری نہ ہونے دو۔
> اپنے میں خدا کی موجودگی کے احساس سے ہمیشہ خوش اور پرسکون رہو۔“ (۲)

پھر انہیں یہ خیال آیا کہ ویدانت کا نور ملک سے باہر بھی پھیلانا چاہیے چنانچہ امریکہ چل دیے۔ جب ان کا جہاز امریکا پہنچنے کو تھا تو ایک ساتھی مسافر نے پوچھا کہ امریکہ میں کسی کو جانتے ہو؟ سوامی نے جواب دیا” ہاں میرا ایک دوست ہے جو وہاں میرا تمام انتظام کرے گا“ ۔اس نے پوچھا” وہ کون ہے؟ سوامی جی نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا” وہ تم ہو“ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس اجنبی نے امریکہ میں ان کی میزبانی کی۔ سوامی جی نے امریکہ کو ویدانت کی روشنی سے خیرہ کردیا۔ امریکیوں میں ان کی مقبولیت سے مسیحی پادریوں کو ان سے حسد ہونے لگا اور وہ امریکہ سے واپس آکر رشی کیش کے پاس لکشمن جھولا آگئے۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو اپنے گرو دھنارام کے ہمراہ دیوالی کے دن کشا گھاٹ کے پاس وہ گنگا میں نہانے کے لیے داخل ہوئے۔ پہاڑی ندی میں سیلاب آیا ہوا تھا موجیں زوردار تھیں سوامی جی پانی میں آگے بڑھتے گئے۔ کنارے سے چیلے چلائے کے آگے نہ جائیے لیکن وسط دریا میں پہنچ کر غائب ہوگئے۔ تین دن کی تلاش بسیار کے باوجود لاش نہ ملی اور تیسرے دن ان کی نعش اسی مقام سے برآمد ہوئی جہاں وہ غرقاب ہوئے تھے۔ وہ سمادھی کے آسن میں تھے اور آنکھیں بند تھیں۔ ان کی موت کے بارے میں مختلف اور متضاد روایات ملتی ہیں۔ یوسف سلیم چشتی نے” شرح بانگِ درا“ میں اور سید عابد علی عابدؔ نے” تلمیحاتِ اقبال“ میں سوامی رام تیرتھ کی موت کے حوالے سے ملتے جلتے الفاظ کہے ہیں۔ تاہم ڈاکٹر اکبر حسین قریشی لکھتے ہیں:

" ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو وہ اپنے معمول کے مطابق ہردوار گئے تھے ۔ ایک دن اپنے شاگردوں اور عقیدت مندوں کو دریائے گنگا کے کنارے بیٹھے ہوئے ویدانت کا درس دے رہے تھے کہ دفعتاً انہوں نے غسل کا ارادہ کیا اور تیرتے ہوئے دور نکل گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان پر اسی حالت میں رام کی محبت کا آغاز ہوا اور عین دریا میں جذب و مستی کی حالت طاری ہوگئی نتیجتاً وہ لہروں میں ڈوب گئے۔ تین دن بعد ان کی لاش خود بخود کنارے پر آگئی ۔" (۳)

تیرتھ رام پنجابی زبان میں اشعار بھی کہتے تھے۔ سوامی تیرتھ رام کی زندگی کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ وہ دیوالی کے دن پیدا ہوئے، دیوالی کے دن سنیاس لیا اور دیوالی کے دن ہی انتقال کیا۔ سوامی رام تیرتھ کے عقیدہ کے بارے میں جگن ناتھ آزاد لکھتے ہیں:

" سوامی رام تیرتھ ہندوؤں کے ایک مذہبی رہنما تھے۔ ویدانت یعنی وحدت الوجود ان کا عقیدہ تھا۔ اسلامی وحدت الوجود نہیں، جس میں کائنات کو مظہر ذاتِ خداوندی قرار دیا گیا تھا۔ بلکہ وہ وحدت الوجود جس کی ابتدا ہندوستان میں شری شنکر اچاریہ نے کی اور جس کے مطابق کائنات کو مایا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے" (۴)

سوامی رام تیرتھ کے حالات اور معمولات کے بارے میں اگست ۱۹۱۳ء کے " مخزن " کے شمارہ میں ایک مضمون میں سعید سلیم وارثی یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

" پنجاب کے ہونہار روحانی ناخدا لوگوں میں سے میں نے اس شخص کو دیکھا۔ ان کا قیام کچھ عرصہ تک اچھیانی میں بھی رہا۔ میرے مکان سے بہت قریب جگہ ہے۔ جس مقام پر وہ سکونت کرتے تھے وہ گنگا کا دھانہ تھا۔ اکثر مجھے ان سے ملنے جلنے کا موقع ملتا تھا۔ سوامی جی کو حافظؔ اور شمسؔ کی غزلیں اکثر زبانی یاد تھیں۔ لوگوں نے عرصہ تک سوامی جی کو مسلمان جانا ۔ وہ کبھی کبھی مسجد میں آکر قرآن کی تلاوت بھی کرنے لگے تھے اور ان کا مطلب لوگوں کو سمجھاتے تھے۔ کبھی وہ مندر میں بھی چلے جاتے تھے۔ وہ گوشت مطلق نہیں کھاتے تھے۔

مگر مسلمان اور ہندو کسی کے یہاں کھانا کھالینے سے ان کو عذر نہ ہوتا تھا۔ میں نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ" مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق کوئی منزل بغیر مسلمان ہوئے طے نہیں ہو سکتی" ۔ آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ فرمایا: بہت سچا خیال ہے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ بغیر ہندو ہوئے کوئی منزل طے نہیں ہو سکتی۔ دونوں خیالوں میں کوئی فرق نہیں پیغمبر کی تعمیل کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ میں شان رسالت کو جس آنکھ سے دیکھتا ہوں ظاہری مسلمان نہیں دیکھ سکتے ۔ نہ ہی ظاہری مسلمان کو مسلمان سمجھتا ہوں ۔ جن کو مسلمان سمجھتا ہوں ان کی کفش برداری میرا فخر ہے۔ میں مسلمان ہوں ان مسلمانوں میں اور ہندو ہوں ان ہندوؤں میں جن کے دلوں میں خدا کی محبت ہے۔ میں اس وحدہ لاشریک کو ایک مانتا ہوں، ایک جانتا ہوں شرک سے نفرت کرتا ہوں، کفر پر لعنت بھیجتا ہوں۔" (۵)

علامہ اقبال اور سوامی رام تیرتھ:

تیرتھ رام گورنمنٹ کالج لاہور میں اقبال سے چار سال سینئر تھے۔ جن دنوں علامہ اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان میں مقیم تھے انہی دنوں سوامی رام تیرتھ کی موت ہوئی۔ قرائن و شواہد سے ایسا کوئی حوالہ نہیں مل سکا کہ اقبال کی سوامی رام تیرتھ سے کوئی ملاقات رہی یا نہیں اور اگر رہی تو کہاں اور کس تناظر میں۔۔۔ نہ ہی کوئی ایسا حوالہ دستیاب ہو سکا ہے کہ سوامی رام تیرتھ کی اس اندوہناک موت کی اطلاع اقبال کو کیوں کر پہنچی اور اقبال نے ان کی وفات پر یہ نظم لکھی۔ پروفیسر خواجہ عبد الحمید لکھتے ہیں:

"کچھ لوگوں نے رام تیرتھ کی سوانح لکھی تو اقبال سے بھی ان کے بارے پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ سوامی جی برھم چریہ کے پرچار کے لیے امریکہ گئے ۔ وہاں ایک مریدنی ضرورت سے زیادہ فیضیاب ہوئی تھی۔ واپسی پر سوامی جی اس عورت اور بچے کو امریکہ ہی چھوڑ آئے۔ وہ برھمچاریہ کو نبھانہ سکے اور بجائے اس کے کہ وہ غلط تعلیم اور غلط اصول کو چھوڑتے انہوں نے اپنی ناکامی کو چھپانا چاہا۔" (٦)

اسی طرح کے ملتے جلتے الفاظ ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

" حال ہی میں مجھے جناب ایس ایل پراشر ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ کالج آف آرٹس چندیگڑھ ملے۔ یہ صاحب ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۹ء میں ایم اے کیا۔ کالج کے دنوں میں اکثر اقبال کے پاس جا بیٹھتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اقبال نے ان سے کہا تھا کہ سوامی رام تیر تھ کے ایک امریکی خاتون سے ناجائز تعلقات تھے۔ اسی کے احساسِ جرم کی وجہ سے انہوں نے دریا میں ڈوب کر خود کشی کر لی۔ ہو سکتا ہے یہ امریکی مسیحی پادریوں کی بہتان تراشی کی وجہ سے ہو جسے اقبال نے اپنی نجی صحبتوں میں بھی بیان کیا ہے۔" (۷)

علامہ اقبال کے والد صوفیانہ ذہن رکھتے تھے اور انھیں تصوف کے معاملات اور اس کی واردات سے قلبی دلچسپی تھی۔ ابن العربی جو ایک نامور وجودی فلسفی اور صوفی ہیں ان کی تصانیف " فتوحاتِ مکیہ " اور " فصوص الحکم " شیخ نور محمد کے زیرِ مطالعہ رہیں۔ اقبال کا گھریلو ماحول بھی ایسا تھا جس کی وجہ سے اقبال کا بھی معرفت و سلوک اور تصوف کی طرف فطری میلان تھا۔ یہ نظم اقبال کے اسی ابتدائی دور کی یادگار ہے جب اقبال اس ماحول کے زیرِ اثر تصوف کی اصطلاح وحدت الوجود اور اس کے داعی صوفیا و مبلغین سے متاثر رہے اور ان کی تصانیف کا مطالعہ کرتے رہے تاہم بعد ازاں ان سے رجوع کر گئے۔ خواجہ حسن نظامی کو لکھے گیے ایک خط بمطابق ۳۰ دسمبر، ۱۹۱۵ء میں اقبال لکھتے ہیں:

" ۔۔۔ میری نسبت آپ کو معلوم ہے۔ میرا فطری اور آبائی میلان تصوف کی طرف ہے اور یورپ کا فلسفہ پڑھنے سے اور بھی قوی ہو گیا تھا کیونکہ فلسفہ یورپ مجموعی طور پر وحدت الوجود کی طرف رخ کرتا ہے۔ مگر قرآن پر تدبر کرنے اور تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی اور میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو ترک کر دیا اور اس مقصد کے لیے مجھے اپنے فطری اور آبائی رجحانات کے ساتھ ایک خوف ناک دماغی اور قلبی جہاد کرنا پڑا۔" (۸)

نظم " سوامی رام تیر تھ " (۹) مشمولہ " بانگِ درا"

اس نظم میں کل چھ اشعار ہیں۔ مثنوی کی ہیئت میں لکھی گئی ہے یہ نظمسوامی رام تیر تھ کی وفات پر لکھی گئی اور پہلی بار " مخزن " کے شمارہ جنوری ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔ یہ نظم بحر " رمل مثمن محذوف " میں لکھی گئی ہے جس کا وزن "فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن " ہے۔ غالبؔ کے دیوان کی پہلی غزل ع۔ نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا، بھی اسی بحر میں لکھی گئی ہے۔ گیان چند جین کے مطابق اصلاً اس نظم

کے سات شعر تھے تاہم " بانگِ درا" کی ترتیب و تدوین کے وقت اس کا آخری شعر حذف کر دیا گیا۔ اس نظم میں خوبصورت تراکیب مثلاً قطرہء بے تاب، گوہرِ نایاب، رازِ رنگ و بو، اسیر امتیاز رنگ و بو، شورشِ محشر، چشمِ نابینا، معنی انجام، سیماب سیم خام اور بتِ ہستی کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس نظم میں آزر، ابراہیم علیہ السلام اور تسنیم جیسی خوبصورت تلمیحات کا بھی برمحل استعمال کیا گیا ہے۔

اس نظم میں اقبال نے سوامی رام تیرتھ کے فلسفہ حیات کو موضوع بنایا ہے اور بتایا ہے کہ موت اگرچہ زندگی کی موجودہ صورت کو بدل دیتی ہے لیکن اسے ختم نہیں کرتی بلکہ ایک قطرہ بے تاب کو گوہرِ نایاب بنا دیتی ہے۔ اقبال (۱۰) اسی خیال کو ایک اور جگہ یوں بھی بیان کرتے ہیں:

؎ موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی

انسانی زندگی کا یہ مختصر ہنگامہ شورشِ محشر بن جاتا ہے اور یوں یہ شرارہ بجھ کر اس آتشکدے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ علامہ اقبال (۱۱) نے اس نظم میں " ویدانت" کے نظریے کو چند اشعار میں یوں بیان کر دیا ہے گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے:

؎ ہم بغل دریا سے ہے اے قطرہ بے تاب تو
پہلے گوہر تھا، بنا اب گوہرِ نایاب تو
نفی ہستی اک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا
'لا' کے دریا میں نہاں موتی ہے 'الا اللہ' کا

حوالہ جات وحواشی:

1. گیان چند جین: ابتدائی کلامِ اقبال بہ ترتیب مہ و سال، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴ء) ، ص ۳۰۵
2. افتخار احمد صدیقی: عروجِ اقبال، (لاہور: بزمِ اقبال ۱۹۸۷ء) ، ص ۱۰۰
3. اکبر حسین قریشی: تلمیحات و اشاراتِ اقبال، (علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۷۰ء)، ص ۲۵۲
4. جگن ناتھ آزاد: اقبال اور اس کا عہد، (لاہور: مکتبہ یوسفیہ ۲۰۱۹ء) ص ۲۲
5. سعید سلیم وارثی، مدیر، (لاہور: ماہنامہ مخزن، اگست ۱۹۱۳ء) ص ۱۱۲۔۱۱۳
6. خواجہ عبدالحمید: یادِ اقبال، (نئی دہلی: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس ۱۹۷۴ء) ، ص ۱۷
7. گیان چند جین: ابتدائی کلامِ اقبال بہ ترتیب مہ و سال، ص ۳۰۸
8. رفیع الدین ہاشمی: خطوطِ اقبال، (لاہور: مکتبہ خیابانِ ادب، ۱۹۷۶ء) ص ۱۱۴
9. علامہ محمد اقبال: کلیات اقبال (اردو) ، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء) ، ص ۱۳۹

10. ایضاً، ص ۲۸۲

11. ایضاً، ص ۱۳۹

ماخذات:

1. اقبال، علامہ محمد: کلیات اقبال (اردو) ،لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء

2. آزاد، جگن ناتھ: اقبال اور اس کا عہد، لاہور: مکتبہ یوسفیہ، ۲۰۱۹ء

3. جین، گیان چند: ابتدائی کلامِ اقبال بہ ترتیب مہ و سال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۴ء

4. صدیقی، افتخار احمد: عروجِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۸۷ء

5. عبدالحمید، خواجہ: یادِ اقبال، نئی دہلی: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۷۴ء

6. قریشی، اکبر حسین: تلمیحات و اشاراتِ اقبال، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۷۰ء

7. وارثی، سعید سلیم مدیر، ماہنامہ "مخزن"، لاہور: اگست ۱۹۱۳ء

8. ہاشمی، رفیع الدین: خطوطِ اقبال، لاہور: مکتبہ خیابانِ ادب، ۱۹۷۶ء